ناز
نشان۔ انکار۔ زخم
دعا فاطمہ

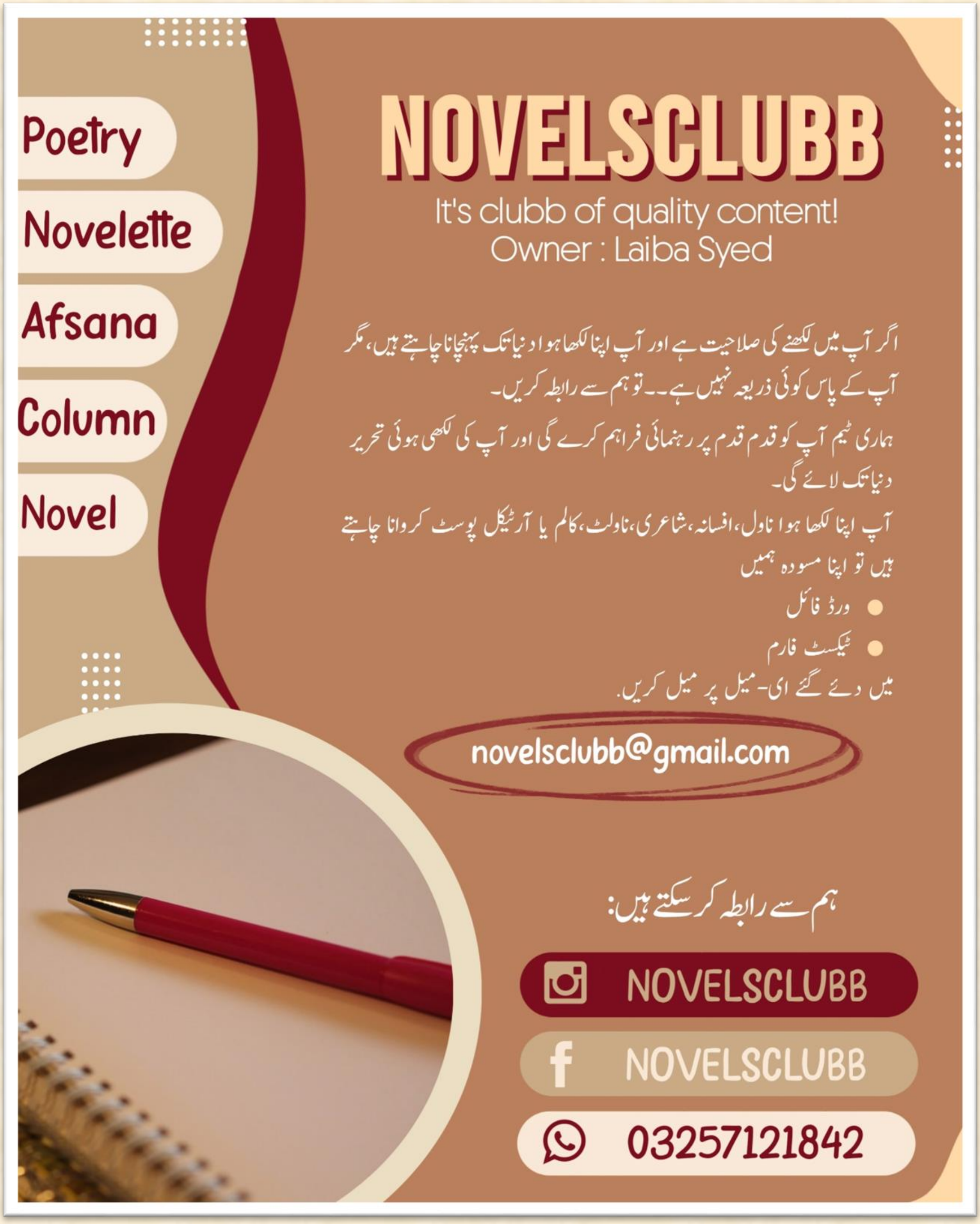
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر
آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر
دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے
ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں۔
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

ناز

از قلم

دعا فاطمہ

Clubb of Quality Content!

انتساب

انکار، زخم اور نشان کی چکی میں پستی ہر عورت کے نام!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پیش لفظ

"ناز" ایک بہت ہی اتفاقی خیال تھا جو ایک کہانی کی شکل میں آگیا۔ نہ اس کے لیے پراپر پلاننگ کی گئی اور نہ ہی کوئی لمبی چوڑی آؤٹ لائن بنائی گئی۔

میں بچپن سے اس خیال کی مالک رہی تھی کہ ایک انسان پر جب ظلم ہوتا ہے، تو وہ خاموش کیوں ہو جاتا ہے۔ اپنے لیے لڑتا کیوں نہیں، اپنے حق کے لیے کچھ بولتا کیوں نہیں؟ مگر پھر اس کہانی کو قلمبند کرتے وقت میرے ذہن میں ہر ایک شے جیسے ایک ترتیب سے بیٹھتی چلی گئی۔ میں نے جانا کہ بعض دفعہ انسان خود سے خاموش نہیں ہوتا، بلکہ ہمارے دیو ہیکل معاشرے کے مضبوط ہاتھ اس کے لبوں پر پڑ کر اس کی آواز کو کہیں اندر ہی دبا دیتے ہیں۔ یہ کہانی آپ کو بتائے گی کہ ہمت کوئی نہیں بندھاتا۔ ہمیں ہمت خود کرنی ہوتی ہے۔

لفظ ناز کو چننے کا مقصد اس کے تینوں حروف تھے جو کہ اس کہانی کے مرکزی خیالات ہیں۔ ن سے نشان۔ ا سے انکار۔ ز سے زخم۔ میں نے اس کہانی کو لکھتے وقت دل سے محسوس کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ میری یہ کاوش سبھی قارئین کو پسند آئے گی۔

والسلام

دعا فاطمہ

Clubb of Quality Content

ڈھلتی دوپہر۔۔۔

سردیوں کی نرم دھوپ۔۔۔

کراچی کا ایک درمیانے طبقے کا علاقہ۔۔۔

گلیوں کے بیچ سے گزرتی پکی سڑک کی ایک جانب سے ایک لڑکا جارہا تھا۔ مناسب قد کاٹھ، عمر لگ بھگ تئیس سال۔ تیکھے نقوش کا حامل۔ اس کی چال میں غرور جھلکتا تھا۔ بھنویں یوں سکیڑ رکھی تھیں جیسے اس کی متکبر شخصیت کی آئینہ دار ہوں۔ وہ فون کان سے لگائے کسی سے بات کرتے ہوئے لاپرواہی سے جارہا تھا۔ ہر کچھ لمحات میں ایک زوردار قہقہہ لگاتا تو آس پاس کوئی نہ کوئی اسے گردن موڑ کر ضرور دیکھتا۔ سب کی نگاہوں میں اس کے لیے افسوس اور حقارت ہی نظر آتی۔

اسے چھوڑ کر اس سے پیچھے کچھ فاصلے پر دیکھیں تو ایک جانب گلی کی اوٹ میں ایک بائیک کھڑی نظر آتی تھی۔ بائیک پر آگے ایک کم عمر سا لڑکا بیٹھا تھا جبکہ پیچھے لڑکوں کے سے انداز میں ہی ایک نسوانی وجود بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے آگے بیٹھے لڑکے کا شانہ تھام

رکھا تھا، جبکہ دوسرا ہاتھ اس کے وجود کو ڈھکی سیاہ بڑی چادر میں چھپا تھا۔اسی چادر سے اس نے اپنا چہرہ بھی ڈھانپ رکھا تھا، یوں کہ محض آنکھیں ہی نظر آتی تھیں۔ان آنکھوں کا رنگ سیاہ تھا، گہرا سیاہ۔۔۔ان کی سیاہی میں بہت سے جذبات گڈ مڈ ہوتے نظر آرہے تھے۔ آگے بیٹھے لڑکے نے بھی اپنا چہرہ اور وجود اس طرز سے چھپا رکھا تھا کہ پہچان میں ہی نہیں آتا تھا۔

پیچھے بیٹھے وجود کے لب ایک سیدھی لکیر میں سلے ہوئے تھے۔سیاہ آنکھیں پتھر۔۔۔

جبھی لڑکے کا ہینڈل پر موجود ہاتھ گھوما تو ریس کی قدرے بلند آواز سارے میں گونجی۔اگلے ہی پل بائیک تیزی سے اوٹ سے نکلتی سامنے جاتے لڑکے کی جانب بڑھی تھی۔

ایک۔۔۔

تیزی سے جاتی بائیک اس لڑکے کے عین برابر میں پہنچ کر ایک پل کو رکی تھی۔اس نے ناسمجھی سے چہرہ پھیر کر اپنے داہنے جانب دیکھا تھا۔اس نے محض وہ آنکھیں دیکھی تھیں اور ایک لمحہ لگا تھا بس اسے انہیں پہچاننے میں۔

دو۔۔۔

چادر میں چھپا ہاتھ ایک جھٹکے سے نکالتی وہ اس کی جانب گھومی تھی۔اس کے ہاتھوں میں ایک بوتل تھی۔اس کے اندر ایک بے رنگ مائع بالکل منہ تک بھرا تھا۔

"میں نے خود کو بچانے کے لیے ہاتھ آگے کیے تھے۔ تم بھی کرنا چاہو تو کرلو۔"، بولتے ہوئے اس نے جھٹکے سے بوتل کا ڈھکن ہٹا کر اس کی جانب وہ مائع اچھالا تھا۔پل بھر کو سب رک گیا تھا۔ جیسے وقت ٹھہر گیا ہو۔ سیاہ آنکھوں میں ایسا ہی ایک منظر جھلکا تھا۔چند ماہ پرانا وہ منظر پورے آب و تاب سے ذہن کے پردے پر ابھرا تھا۔یہی۔۔۔ بالکل یہی جگہ۔۔۔یہی وقت۔۔۔یہی انداز۔۔۔ کیا کچھ بدلا تھا؟ یا یہ بدلہ تھا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

***

تین ماہ قبل۔۔۔

ڈھلتی دوپہر کا وقت تھا۔ سڑک کی ایک طرف سے ایک لڑکی پیدل جا رہی تھی۔ بھوری رنگ کی بڑی سی چادر سے خود کو ڈھکے، وہ تقریباً بائیس تئیس سال کی لگتی تھی۔ سیاہ آنکھیں، چادر کی اوٹ سے نظر آتے گہرے سیاہ بال، اور دمکتی ہوئی گندمی رنگت۔۔۔اس پل چہرے

پر سوچ کی گہری لکیریں کھنچی نظر آ رہی تھیں۔ دماغ میں جیسے کوئی فکر تھی جس کا اثر آنکھوں میں پنپتا بھی نظر آتا تھا۔

پچھلے ہفتے تیمور نے اس سے اپنی پسندیدگی ظاہر کی تھی، جس کو سن کر وہ حیرت میں پڑ گئی تھی۔ وہ تیمور کو بچپن سے جانتی تھی۔ وہ محلے کا ہی ایک لڑکا تھا۔ بچپن میں کبھی وہ بھی اس کے ساتھ کھیلی تھی۔ مگر تھوڑی بڑی ہوتے ہی اس کا اس سے رابطہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ اور اب تو سالوں سے سلام دعا بھی نہیں ہوئی تھی۔

یہ بات تو وہ جانتی ہی ہے کہ وہ کتنا کمینہ اور بد معاش قسم کا انسان ہے۔ علاقے کے ہر بد معاش سے اس کی دوستی ہے۔ حلیے سے وہ کوئی گنڈہ لگتا ہے۔ چہرے پر اس کے پھٹکار برستی ہے۔۔۔ ایسے میں وہ اس کے بارے میں سوچ بھی کیسے لے؟ مانا کہ وہ بہت حسین و جمیل نہیں ہے مگر کچھ خواب اور سوچیں تو اس کی بھی ہیں ہی ناں۔ کوئی شہزادہ نہ سہی، بادشاہ نہ سہی مگر وزیر کی امید تو وہ لگا ہی سکتی ہے۔ سوچ کر وہ بے اختیار اپنے ہی خیال پر ہنس دی تھی۔

اف! کیا کیا سوچ رہی تھی وہ!

کاندھے سے ٹانگے بستے کا اسٹریپ تھامے وہ قدرے دھیمی رفتار سے چل رہی تھی۔ دھیان مانو بھٹکا ہوا تھا کہ جبھی ذہن میں کہیں سے ایک اور سوچ آ ٹپکی۔ اگر تیمور نے اس انکار کا بدلہ لینے کا سوچا تو؟ وہی ہمارے معاشرے کے مردوں کی وہ سستی انا جو کسی لڑکی کے ریجیکٹ کرنے پر بلبلا جاتی ہے۔۔۔ کہیں اس نے اس پر غلبہ پا لیا تو؟ یا اس کے بدمعاش دوستوں میں سے کسی نے اسے کوئی فالتو مشورہ دیا تو؟ اف! اس نے جھرجھری لی تھی۔ یہ کیا کیا سوچ رہی تھی وہ؟

مگر پھر بھی، مردوں پر اسے ذرہ برابر بھروسہ نہ تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ بڑے سے بڑا قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ لڑکی کو اغواء کر لینا، زیادتی اور تیزاب پھینک دینا تو کتنا عام ہو گیا ہے ویسے بھی؟ ہر آئے دن کوئی نہ کوئی انا کا مارا آ کر اپنی سستی مردانگی کے جنون میں نجانے کتنی لڑکیوں کی زندگی برباد کر دیتا ہے۔۔۔ اگر ایک دم ہی وہ یہاں سے گزرتا اس پر تیزاب پھینک جائے تو؟ اللہ اللہ!

کبھی کبھی وہ اپنی اوور تھنکنگ پر یوں ہی پشیمان ہو جایا کرتی تھی۔ بھلا کوئی عام انسان اس طرح کی سوچیں رکھ سکتا ہے؟ تب ہی پیچھے سے بائیک کی ریس کی ایک زوردار آواز گونجی

ناول کلب
Clubb of Quality Content

تھی۔وہ محسوس کر سکتی تھی کہ پیچھے سے کوئی بائیک پوری تیزی سے اس کی جانب چلی آرہی تھی۔وہ بے اختیار راستہ دینے کی غرض سے ایک جانب کو ہونے لگی تھی کہ تیزی سے آتی بائیک اس کے عین برابر میں آئی تھی۔کچھ پل۔۔۔

بس کچھ پلوں کا کھیل تھا سارا۔ بائیک پر آگے کوئی بیٹھا ہوا تھا اور پیچھے تیمور۔۔۔اس نے ہاتھوں میں سیاہ موٹے دستانے پہن رکھے تھے۔اس کے داہنے جانب آکر رفتار بالکل دھیمی کی گئی تھی۔اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا تھا۔لمحہ۔۔۔ محض ایک لمحہ تھا۔۔۔اس کی چھٹی حس نے اسے سگنل دیا تھا۔بے اختیار اس کی نظر تیمور کے ہاتھ میں پکڑی بوتل پر گئی تھی۔

مائع۔۔۔بے رنگ مائع۔یہ اس کا دماغ تھا یا دل جس نے اس سے کہا تھا،بے ساختہ ہی اس نے اپنے دونوں بازو اپنے چہرے کے سامنے کیے تھے۔اسی لمحے تیمور نے وہ بوتل کھول کر مائع اس کی جانب اچھالا تھا۔

اس کی جلد پر وہ گرتے ہی اگلے ہی پل وہ بلبلائی تھی۔یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے گرم گرم پگھلا سیسہ اس کی جلد میں پیوست کر دیا ہو۔چہرے کی جلد بے اختیار ہی بری طرح جلی تھی اور بازوؤں میں تو یوں لگا تھا گویا بری طرح جھلس رہے ہوں۔ایسے جیسے اس کی کھال

دھواں بن کر ہوا میں مل رہی ہو۔اس کی دل خراش چیخیں چاروں اور بلند ہوئی تھیں۔ بائیک کب کی آگے جا چکی تھی۔ پیچھے نجانے کتنے ہی لوگ اس کی جانب بڑھے تھے۔وہ چیختی چلاتی زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ایک جھمگٹا سا اس کے گرد جمع ہو گیا تھا۔

جبھی بھیڑ میں سے نکل کر کوئی ایک بچے کو چلا کر بولا تھا۔

"جاؤ۔جا کر عثمان صاحب کو بتاؤ۔۔۔ناز بیٹی پر تیمور نے تیزاب پھینک دیا ہے۔"

وہ رو رہی تھی۔ بری طرح رو رہی تھی۔ تیزاب؟تو کیا وہ بھی اس مردانہ انا کی بھینٹ چڑھ چکی تھی؟ یا اللہ!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

***

اس کو ہسپتال میں نجانے کتنے گھنٹے گزرے تھے جب وہ ہوش میں آئی۔اسے بے ہوش کر کے اس کا چیک اپ کیا گیا تھا۔وہ اٹھی تو دونوں بازوؤں کو سفید پٹیوں میں بندھا ہوا پایا۔ جلن اب بھی محسوس ہو رہی تھی مگر شاید یہ کمرے میں چلتے تیز اے سی کا اثر تھا کہ وہ برداشت کر پا رہی تھی۔چہرے پر البتہ اسے تیز سنسناتی ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے چہرے پر اپنے ہاتھ لگانا چاہے تو سخت پٹیوں کے سبب ہاتھ چہرے تک نہ پہنچ سکے۔ بے ساختہ ہی وہ پھپھک کر رو دی تھی۔ یہ کیا ہو گیا تھا اس کے ساتھ؟ کیا وہ بھی بد صورت ہو گئی تھی؟ کیا اب کبھی اس کا اپنا چہرہ دیکھنے کا دل چاہے گا؟ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنے کا جی چاہے گا؟ اس کے بازو اور ہاتھ پوری طرح سے پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اسی پل دروازہ کھلا اور اس کے ماں باپ دوڑتے ہوئے اس تک آئے۔ امی نے بے اختیار اسے گلے سے لگایا تھا اور اس کے ساتھ ہی رونے لگی تھیں۔ ابو بھی اس کے ایک طرف کھڑے آنکھوں میں آنسو لیے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کو ان کی آنکھوں میں بے بسی نظر آئی تھی۔ سامنے ہی اس کا چھوٹا بھائی کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔ ایسے جیسے وہ خود پر کڑا ضبط کر رہا ہو۔ بے اختیار ہی وہ عاصمہ سے دور ہوتی عثمان کی جانب گھومی تھی۔

"ابو۔۔۔ میں بد صورت ہو گئی کیا؟"، وہ آنسوؤں کے درمیان گھٹتی آواز میں پوچھنے لگی تو انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا۔ پھر آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں۔ میری بیٹی تو اب بھی خوبصورت ہی ہے۔ تمہارے چہرے پر نہیں آیا تیزاب، ناز۔ تمہارا چہرہ محفوظ رہا۔"، وہ سر نفی میں ہلاتے جارہے تھے اور کہتے جارہے تھے۔ "چہرے پر صرف ہلکی سینسیشن ہوئی ہے۔ تمہارا چہرہ محفوظ ہے۔"، بولتے ہوئے وہ تیزی سے احمد کی جانب مڑے تھے۔ "احمد، بہن کو آئینہ لا کر دو۔ جلدی سے۔"، ان کے کہنے پر وہ دوڑتا ہوا کمرے سے باہر گیا تھا۔

ناز کے کان تو اب بھی سائیں سائیں کررہے تھے۔ وہ عثمان کے الفاظ تھے جو سماعتوں میں گونج رہے تھے۔ کیا اس کا چہرہ محفوظ ہے؟ کیا واقعی؟

احمد کچھ لمحوں بعد ڈاکٹر کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس نے ہاتھوں میں ایک آئینہ تھام رکھا تھا۔ وہ ناز کی جانب ہی بڑھ آیا تھا۔ وہ مضطرب سی قریب آئی تھی۔ احمد نے آئینہ اس کے چہرے کے سامنے کیا تو وہ ٹھہر سی گئی۔ چہرہ ایک جانب سے سوزش کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں بھی ہلکی ہلکی سرخ تھیں۔ کان کے قریب جلنے کا سرخ و بھورا چمکتا سا نشان تھا۔ اس کے علاوہ وہاں اور کوئی ایسا نشان نہ دکھتا تھا۔ بے اختیار اس نے ڈھے جانے کے سے انداز میں ٹیک لگا یا تھا۔ پھر ڈبڈباتی آنکھوں سے اپنے ماں باپ کو دیکھا تھا۔

"میرا چہرہ نہیں جلا، ابو۔۔۔امی، مجھے یقین نہیں آرہا۔"، وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ تبھی ڈاکٹر ذرا آگے آیا تھا اور نرمی سے اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"آپ پر اللہ کا بہت کرم ہوا ہے جو آپ کا چہرہ بچ گیا۔ ورنہ زیادہ تر کیسز میں تو سب سے زیادہ افیکٹ وکٹم کا چہرہ ہی ہوتا ہے۔ آپ کے بازو اور ہاتھ جل گئے مگر چہرہ بچ گیا۔ ورنہ آنکھیں بھی جاسکتی تھیں آپ کی۔"، وہ دھیرے دھیرے تفصیلات بتاتے ہوئے بولے تو عاصمہ نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے خود سے لگایا۔ یہ تو خیال ہی دل دہلا دیتا تھا کہ اس کا چہرہ خراب ہو سکتا تھا، آنکھیں جاسکتی تھیں۔ ان پر واقعی بہت کرم ہوا تھا۔

"آپ کے زخم بھرنے میں ابھی وقت لگے گا کیونکہ ایسڈ بہت اسٹرانگ تھا۔ عام طور پر جس جگہ تیزاب گرتا ہے وہیں جلن ہوتی ہے۔ مگر آپ کے چہرے کی سوزش بتاتی ہے کہ تیزاب بہت خطرناک حد تک اسٹرانگ تھا۔ اس لیے صحیح ہونے میں بھی وقت لگے گا۔"، کچھ دیر بعد وہ چلے گئے تو عثمان صاحب دھیرے سے اس کے بستر پر بیٹھے، اسے نرم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر نرمی سے ہاتھ پھیرا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی انشاءاللہ۔"، وہ بس انہیں دیکھے گئی تھی۔ ہاں وہ ٹھیک ہو جائے گی۔

***

اگلی صبح ریحان تایا کی فیملی اس سے ملنے آئی تھی۔ان کے بیٹے، ساحل سے اس کی منگنی ہوئی ہوئی تھی۔وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر پریشانی صاف رقم تھی۔ مگر نازلی کو دیکھتے ہی جیسے اس نے سکون کا سانس خارج کیا تھا۔

"شکر کہ تمہارا چہرہ نہیں جلا۔"، وہ اس سے بولا تو اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"اگر جل جاتا تو رشتہ توڑ دیتے کیا؟"، وہ اتنا ٹیڑھا سوال اتنے سیدھے طریقے سے کرے گی، ساحل کو اندازہ نہیں تھا۔ وہ پل بھر کو گڑبڑا گیا تھا، پھر ہلکا سا مسکرا کر سر نفی میں ہلایا۔

"وہ بعد میں دیکھا جاتا۔ جلا تو نہیں ناں ابھی۔"، اور اس کے اس جملے نے ناز کو جتنا مایوس کیا تھا، وہ ناقابلِ بیان تھا۔ وہ سر تکیے پر پھینکنے کے سے انداز میں گرائے چہرہ موڑ گئی تھی۔ تایا لوگوں کے چلے جانے کے بعد وہ کمرے میں تنہا رہ گئی تھی۔ ساکت نظروں سے وہ کسی غیر مرئی نقطے کو تکتی کسی اور ہی جہان میں تھی۔

توکیاوہ اوور تھنکنگ نہیں تھی؟وہ اس کی چھٹی حس تھی جو اس سے کہہ رہی تھی کہ کچھ برا ہونے والا ہے؟ یا اللہ کی طرف سے دل میں ڈالا گیا ایک خیال تھا جس نے بروقت اسے بچا لیا؟وہ اب بھی جب یہ سوچ رہی تھی کہ اس کے بازو نہ ہوتے تو اس کا چہرہ ہوتا، تو جسم اور دماغ سن سا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ جبھی ایک دم سے سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا موبائل چنگھاڑا تو اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اسکرین پر پریشے کا نام جل بجھ ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کال پک کرتے اسپیکر پر فون لگایا تھا۔

"ہیلو۔"، وہ بولی تو اگلی جانب تو پریشے جیسے تیار بیٹھی تھی۔

"ہیلو ناز۔۔۔ کہاں غائب ہو تم؟؟؟ کل سے کوئی میسج، کوئی کال، کوئی بات نہیں؟ میں اتنی پریشان ہو رہی تھی۔"، وہ ایک ہی سانس میں سب بول گئی تو ناز نے ٹھہر کر ایک گہرا سانس لیا۔ پھر جب بولی تو آواز ٹوٹی بکھری سی تھی۔

"میں نے تمہیں تیمور والی بات بتائی تھی ناں؟"، اس نے پوچھا تو اس کا لہجہ بھانپ کر ایک پل کو اگلی جانب پریشے ٹھہری تھی۔ پھر تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے ہولے سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"ہاں۔۔۔سب۔۔۔خیر تو ہے؟"، ناز نے ایک گہرا نم سانس خارج کر کے اپنے پٹی سے آزاد ہاتھوں اور بازوؤں کو دیکھا تھا۔آج کے دن ان کو کھلا رکھنے کا کہا تھا ڈاکٹر نے۔

"اس نے مجھ پر تیزاب پھینک دیا، پریشے۔"، وہ سسک کر بولی تو اگلی طرف وہ جیسے پتھر بن گئی تھی۔

"کیا؟؟؟ یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

ناز نے نگاہیں پھیر کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا تھا۔ان پر تازہ زخموں کے نہایت بد نما نشانات تھے۔کہیں کوئی ایک بھی ایسا حصہ نظر نہ آتا تھا کہ جو سلامت ہو۔سب سے بڑھ کر تکلیف دہ وہ جلن تھی جو اسے ان پر محسوس ہو رہی تھی۔کچھ لمحات تو ایسے ہوتے جس میں وہ نا قابلِ برداشت ہونے لگتی۔

"کل یونیورسٹی سے واپسی پر اس نے مجھ پر تیزاب پھینکا اور بھاگ گیا۔"، وہ رک رک کر اپنے زخموں کو دیکھتی بولی تو اگلے ہی پل پریشے نے ویڈیو کال کی۔ایک بار پھر انگلی سے سوئچ کرتے ہوئے ناز نے احمد کو آواز دی تھی۔وہ کمرے میں آیا تو اس نے موبائل کی جانب اشارہ کیا۔

"اس کو میرے سامنے سیٹ کر دو۔ مجھے پریشے سے بات کرنی ہے۔"، احمد سر ہلاتا موبائل سیٹ کرنے لگا، پھر ایک آخری افسوس بھری نظر اس پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

اسکرین پر ناز کا چہرہ دیکھتے ہی وہ ساکت ہوئی تھی۔ ناز نے اگلے ہی پل اپنے دونوں بازو اس کے سامنے کیے تو بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے منہ پر جا پڑا۔

"یا اللہ"، اس کی آنکھوں میں بہت سے آنسو آ جمع ہوئے تھے۔ "تم ٹھیک ہو؟"، نجانے کس دل سے پوچھا تھا اس نے یہ سوال۔ ناز نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میرا چہرہ بچ گیا۔۔۔ میں نے اپنے چہرے کے آگے ہاتھ کر لیے تھے۔ اس نے میرے ہاتھوں کو جلا دیا مگر میرا چہرہ۔۔۔ وہ تو بچ گیا، پری؟"، وہ جیسے سوالیہ انداز میں بول رہی تھی۔ جیسے اب بھی بے یقین ہو۔ پریشے نم آنکھوں سے اسے دیکھے گئی تھی۔ "تمہیں پتا ہے ناں مجھے میرے ہاتھ کتنے پسند تھے۔ میں آبسیسڈ تھی اپنے ہاتھوں سے۔ مگر دیکھو تو اب، میرا دل چاہے گا کبھی انہیں ایک نظر بھی دیکھنے کا؟"

وہ بولتے ہوئے سر نفی میں ہلا رہی تھی۔ پریشے کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ موبائل کی اسکرین سے اسے گلے لگا لیتی۔ ایک بار اسے تسلی دے دیتی۔ اسے تھپک دیتی۔ ہائے مگر وہ بے بس تھی۔

"مگر میرا چہرہ۔۔۔ دیکھو تو ذرا۔ مجھے میرا چہرہ بہت خوبصورت نہیں لگتا تھا، مگر اب یہ مجھے دنیا کا خوبصورت ترین چہرہ لگ رہا ہے۔ دیکھو ذرا۔"، وہ چہرہ اسکرین کے تھوڑا قریب کر کے بولی تھی۔ "یہ کیسا امتحان ہوا، پری؟"، آنسو اب لڑیوں کی صورت اس کے چہرے پر سے لڑھکتے اس کے زخمی ہاتھوں پر گرے تو وہ سسک اٹھی۔ پھر اس نے موبائل پر نظر آتی پریشے کو دیکھا تھا۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

"مجھے تمہارے گلے لگ کر بہت سارا رونا ہے۔ یہاں میں کسی کے سامنے نہیں کھل پا رہی۔ سب اتنا روتے رہتے ہیں کہ میں روؤں تو مجھے ان کے ساتھ زیادتی لگنے لگتی ہے۔ جیسے ان کا غم میرے غم سے بڑا ہو۔"، وہ بہت گھٹے گھٹے لہجے میں بول رہی تھی۔

"کاش میں تمہارے پاس آسکتی، نازلی۔ کاش میں اتنی دور نہ ہوتی۔ مجھے آج سے پہلے یہ فاصلہ کبھی اتنا برا نہیں لگا۔"، وہ بولی تو نازلی نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اللہ کرے وہ منحوس بھی کسی تیزاب کے ٹینک میں گر کر ملیامیٹ ہو جائے۔"، کچھ دیر بات کرنے کے بعد وہ بولی تو نازلی نے بے اختیار سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"میں چھوڑوں گی نہیں اسے۔"، وہ اب کے سر نفی میں ہلاتی سختی سے کہہ رہی تھی۔"یہ بے بسی دیکھ رہی ہو ناں میری؟ میں اپنے ہاتھ نہیں اٹھا پا رہی۔ میں اسے بھی اتنا ہی بے بس کر دوں گی۔"

اسی لمحے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر احمد کمرے میں داخل ہوتا اس کی جانب آیا تھا۔

"پولیس تمہارا بیان لینے آ رہی ہے، ناز۔ کال کاٹ دو۔"، وہ بولا تو ناز الوداع کرتی کال کاٹ گئی۔ احمد نے آگے بڑھ کر اسے دوپٹہ اوڑھایا اور پھر مڑ کر واپس باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ پولیس کو اپنا بیان دے رہی تھی۔

"آپ کو کوئی اندازہ ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ کل سے لاپتہ ہے۔"، ان کے پوچھنے پر اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا۔"

"اچھا آپ کا اس سب سے پہلے اس سے کس طرح کا تعلق تھا؟ مطلب کیا آپ لوگوں کے درمیان کوئی باہمی تعلق تھا؟"، پولیس افسر کے پوچھنے پر عثمان صاحب نے ناگواری سے اسے ٹوکا تھا۔

"یہ کس قسم کا سوال کر رہے ہیں آپ؟"، ناز نے بے اختیار چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا تھا جن کا چہرہ غصے سے سرخ پڑنے لگا تھا۔

"آپ پولیس کی تفتیش کے دوران خاموش رہیں۔ یہ ضروری سوالات ہیں۔"، افسر سختی سے بولا تو وہ ایک قدم مزید قریب آئے۔

"میری بیٹی کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نے تو کبھی اس سے بات بھی نہیں کی۔"، وہ بولے تو ناز کے گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری۔

"پچھلے ہفتے اس نے میری یونیورسٹی کے باہر میرا راستہ روک کر مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"، وہ یکدم ہی بولی تو عثمان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ عاصمہ کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ البتہ احمد ویسے ہی کھڑا رہا تھا۔ "میں نے اسے

صاف منع کر دیا تو اس نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ میں سمجھی کہ وہ میری بات مان گیا ہے۔"، افسر نے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔ عثمان اور عاصمہ اب تک بے یقین تھے۔

بیان لینے کے بعد پولیس افسران باہر چلے گئے تو عثمان نے افسوس سے اسے دیکھا، پھر سر نفی میں ہلایا۔

"میں سمجھتا تھا کہ میرے بچے مجھ پر اتنا بھروسہ تو کرتے ہی ہیں کہ مجھے اپنے مسائل بتا سکیں۔ مگر میں تو غلط تھا۔"، وہ اسے دیکھ کر بولے تو ناز نے سر نفی میں ہلایا۔

"وہ میرے لیے کوئی مسئلہ لگا ہی نہیں مجھے، ابو۔ میرے لیے یہ ایسا تھا جیسے کوئی غیر ضروری چیز ہو۔"، وہ پچھتاوے میں گھری بولی تو وہ مزید کوئی بھی لفظ کہے بغیر کمرے سے چلے گئے۔ اس نے نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا تھا۔

"مجھے تو بتا دیا ہوتا، ناز۔"، دیکھا وہ احساس جس میں وہ گھر گئی تھی؟ کہ اس سے بڑا غم تو ان سب کا تھا۔ شاید واقعی!

***

چند دنوں بعد اسے سخت ہدایات دیتے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ ہاتھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے ہاتھ ذرا بھی نہیں ہلا پا رہی تھی۔ اسے کھانا تک کوئی اور کھلاتا تھا۔ بے بسی!!!

ہاں سب سے بڑی کیفیت بے بسی کی ہی تھی ان دنوں! اس کے بہت سے دوست احباب اور یونیورسٹی فیلوز اس سے ملنے آئے تھے۔ ہر کوئی ترحم سے اسے دیکھتا، صحتیابی کی دعائیں دیتا چلا جاتا۔ ترس وہ دوسری چیز تھی جو اسے ان دنوں بہت بری لگ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ سے بہت اناوالی، خوددار لڑکی رہی تھی۔ یہ بے بسی اور ترس بہت بھاری بن کر ٹوٹ رہا تھا اس پر۔ اس کا کسی سے ملنے کا دل نہیں چاہتا تھا۔ وہ بس سارا وقت تنہا رہنا چاہتی تھی۔ نہ کسی سے بات کرتی تھی نہ ہنستی مسکراتی تھی۔

وہ جب جب اپنے ہاتھوں کو دیکھتی، اسے اپنا دل جلتا محسوس ہوتا۔ پھر وہ بیٹھ کر اپنی پرانی تصویریں دیکھنے لگی جاتی۔ اس کے خوبصورت ہاتھ، مسکراتی ہوئی چمکدار آنکھیں، اس کے گھر والوں کے ہنستے بولتے چہرے۔۔۔ تیمور نے تو سب چھین لیا تھا۔ ان دنوں وہ بالکل کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔۔۔

Clubb of Quality Content

کئی دنوں بعد پولیس اسٹیشن سے عثمان کو کال آئی تھی۔ تیمور پکڑا گیا تھا۔عثمان اور ناز کو اگلے دن وہاں بلایا گیا تھا۔وہ عثمان اور احمد کے ساتھ ہسپتال پٹی کروانے گئی تھی۔وہیں سے واپسی پر وہ پولیس اسٹیشن چلے گئے تھے۔

انٹیروگیشن روم میں اسے تیمور کے سامنے بٹھایا گیا تھا۔اس کی ایک طرف عثمان بیٹھے تھے تو دوسری طرف احمد۔پٹی بندھے ہاتھ میز پر ٹکائے وہ آنکھیں اٹھائے تیمور کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سر جھکا رکھا تھا۔

"تمام ثبوتوں، گواہان اور میڈیکل رپورٹس کو مد نظر رکھتے ہوئے تیمور پرویز اس جرم میں ہر طرح سے ملوث پایا گیا ہے۔اب اس کی سزا کا تعین آپ کریں گے۔اس کا پرچہ کٹوا کر ہم کورٹ میں جمع کروائیں گے تو ٹرائل شروع ہو جائے گا۔پاکستانی قانون کے مطابق اس کو چودہ سال کی سزا ہو سکتی ہے اور جرمانہ عائد ہو سکتا ہے۔ایک آخری آپشن یہ ہے کہ آپ اس کو معاف کر سکتے ہیں۔"،افسر کے یہ کہتے ہی ناز نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔جیسے بے یقینی ہی بے یقینی ہو۔"میرا مقصد ہرگز آپ کو کسی بھی فیصلے کے لیے مجبور کرنا نہیں ہے۔میں نے ممکنات بتائی ہیں بس۔"

چند پلوں تک گہری خاموشی چھائی رہی تھی۔ ہر کوئی نظریں اس پر ہی ٹکائے ہوئے تھا۔ منتظر۔ کافی لمحات گزرنے کے بعد وہ بولی تو آواز مضبوط سی تھی۔

"میں چاہتی ہوں کہ اس پر بھی تیزاب پھینکا جائے۔"، تیمور نے اتنی زور سے گردن اٹھائی تھی کہ ہڈی چٹخنے کی آواز بہت واضح سنائی دی تھی۔ وہ سرد نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میرا ایک یہی مطالبہ ہے۔ نہ میں اسے جیل بھجوانا چاہتی ہوں نہ کوئی جرمانہ چاہتی ہوں۔ مجھے بس اس کو ویسے تڑپتے ہوئے دیکھنا ہے جیسے میں تڑپی تھی۔ تڑپتی ہوں۔"، عثمان صاحب نے بے اختیار احمد کو دیکھا تھا۔ وہ ساکت سا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ قانونی طور پر ناقابل قبول ہے۔ بہتر ہے کہ آپ اسے قانون کے حوالے کر دیں۔ پھر قانون اس کے ساتھ جو چاہے کرے۔ جو سزا اس کو ملے گی، وہ اس کو بھگتنی ہی پڑے گی۔ یہی انصاف ہے۔"، ناز نے یکدم ہی سر نفی میں ہلایا تھا۔

"میرا بدلہ تو پورا نہیں ہو گا ایسے۔ مجھے انصاف نہیں، بدلہ چاہئے۔"، وہ اٹل لہجے میں بولی۔

"بدلہ چاہیے تو آپ کو قانون کو ملوث کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ قانون انصاف دیتا ہے، بدلہ نہیں۔"، افسر نے ناگواری سے جواب دیا تو ناز تلخی سے سر جھٹک کر اسے دیکھ کر بولی۔

"قانون انصاف بھی نہیں دیتا۔ غلط کہہ رہے ہیں آپ۔"، بولتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "بدلہ نہیں تو پھر آزاد کر دیں اسے۔ مجھے آپ سے کسی انصاف کی توقع نہیں ہے۔ مجھے اسے کوئی سزا نہیں دلوانی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو، ناز؟"، عثمان بے یقینی سے بولے تو اس نے چہرہ موڑ کر انہیں دیکھا۔

"یہی تو چاہتے ہیں سب۔ وہی کہہ رہی ہوں جو سب چاہتے ہیں۔"، بولتی ہوئی وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ پیچھے پولیس افسر نے عثمان کو دیکھا تھا۔

"اپنی بیٹی کو سمجھائیں، عثمان صاحب۔ ہر معاملہ جذبات سے حل نہیں ہوتا۔ عقلمندی دکھائے۔ پاکستان تو کیا، دنیا کا کوئی قانون اسے وہ کرنے نہیں دے گا جو وہ چاہتی ہے۔"،

عثمان اب اس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ احمد سرد نظروں، بھینچے لبوں کے ساتھ تیمور کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سر ہلکا سا جھکائے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ ایسے جیسے خود کو یقین دلا رہا ہو کہ اف! وہ بچ گیا ہے۔

***

"میں کیا کروں؟ میں نے اس کو سامنے دیکھا تو دل چاہا کہ اس کو جان سے مار دوں۔ مگر میں وہ نہیں کر پائی جو میں چاہتی تھی۔"، وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے، فون کان سے لگائے ہوئی تھی۔ آنکھیں تھکاوٹ جھلکاتی تھیں۔ لہجہ بکھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

"تم اللہ پر چھوڑ دو سب۔ قانون انصاف نہیں کرے گا تو اللہ کرے گا۔ وہ تو منصف ہے ناں!"، پریشے اگلی جانب سے بولی تو وہ تلخی سے ہنس دی۔

"کہنا آسان ہے شاید۔ مگر میرا دل اسے چھوڑنے پر راضی نہیں ہے تو زبردستی کروں کیا؟ اور زبردستی کروں بھی کیوں؟ میں کیوں سمجھوں؟ سمجھنا تو باقی سب کو چاہیے۔ یہاں غلط میں نہیں ہوں۔ جو غلط ہے اسے کوئی کچھ نہیں کہہ رہا۔"، بولتے بولتے وہ آخر میں بے بسی سے چلا اٹھی تھی۔ پریشے نے آنکھیں بند کر کے کھولی تھیں۔ "تم بھی نہیں سمجھو گی اب مجھے؟"

"میں تمہیں سمجھ رہی ہوں، میری جان۔ مگر حقیقت بھی تو بتانی ہے ناں۔ اچھا تم مجھے بتاؤ کہ اور کیا کر سکتی ہو؟"، وہ نرمی سے بولی تو ناز سیدھی ہو بیٹھی۔

"مجھے بدلہ چاہیے۔ میں جب تک اسے تڑپتا ہوا نہیں دیکھوں گی، میرے دل کو قرار نہیں آئے گا۔ اور جب تک میرے دل کو قرار نہیں آئے گا، تب تک میں اپنی زندگی سکون سے نہیں گزار سکوں گی۔"، اس نے بات مکمل کی تو پریشے نے سر نفی میں ہلایا۔

"اچھا تو بدلہ کیسے لو گی؟"

"اس کے اوپر تیزاب پھینک کر۔"، پریشے پل بھر کو جیسے لاجواب ہوئی تھی۔

"معاف کرنے والے کو اللہ پسند کرتا ہے۔"، پریشے نے آخری حربہ آزمایا تھا۔ دین ناز کا ویک پوائنٹ تھا۔ اسے یقین تھا کہ اب کی بار تو وہ ضرور ٹھہرے گی۔

"معاف کرنے والے کو ناپسند بھی نہیں کرتا۔"، اور اب بس ہو گئی تھی۔

"اچھا تو ایسے ہی منہ اٹھا کر اس پر تیزاب پھینک دو گی؟"، پریشے ناسمجھی سے کہنے لگی تو ناز نے اب کی بار گہری پر سوچ نظروں سے اپنے دونوں ہاتھوں اور بازوؤں کی کھردری، موٹی سی بدنما جلد کو دیکھا۔ وہ جب جب ان زخموں کو دیکھتی تھی، اس کا دل سینے سے باہر آنے کو دوڑتا تھا۔

"سوچتی ہوں، مگر پتا ہے کیا، ایک اور نئی مصیبت۔۔۔تایا لوگ شادی کے لیے زور ڈال رہے ہیں۔اور میری تیزاب پھینکنے والی بات پر امی ابو بھی بالکل بدل گئے ہیں۔کل صبح کہہ رہے تھے کہ شادی کر لو تاکہ دماغ سے یہ خرافات نکل جائیں۔ خرافات، سیریئسلی؟"، وہ جیسے افسوس سے بولی تھی۔اگلی جانب پری نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"ہر ساؤنڈ دماغ والا انسان یہی سوچے گا۔ہر کسی کے پاس تمہاری طرح سوچنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔"، پریشے کی بات پر ناز سر جھٹک کر تلخی سے ہنس دی تھی۔کچھ دیر بعد وہ کال کاٹ کر پلنگ سے اٹھنے لگی تھی جب دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر احمد اندر آیا۔ایک تو اس کی یہ جھٹکے سے دروازہ کھولنے کی عادت!

"بیٹھو۔مجھے بات کرنی ہے تم سے۔"، کہتا ہوا وہ پلنگ پر اس کے عین سامنے آ بیٹھا تو وہ اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھ گئی۔چند پلوں کی گہری خاموشی کے بعد وہ دھیرے سے بولنا شروع ہوا تھا۔

"میں نے تمہاری ساری باتیں سنی ہیں ابھی۔"، ناز نے افسوس سے اسے دیکھا تھا۔ہاں وہ اس کی اس عادت سے اچھے سے واقف تھی۔"اور اسی طرح کل امی ابو کی بھی باتیں سنی

Clubb of Quality Content

تھیں۔ ساحل نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ اسے تم سے شادی نہیں کرنی۔"، ناز ساکت ہوئی تھی۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا؟

"پتا نہیں ایک دم سے اسے کیا ہوا، مگر کل رات کو ہی تایا کی کال آئی اور انہوں نے کہا کہ ساحل کو گوارا نہیں کہ اس کی ہونے والی عورت کے پیچھے کوئی اتنا پاگل ہو کہ اس کے نہ ملنے پر تیزاب ہی پھینک دے۔ اسے ایسی عورت میں کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بہت ہی بے تکی بات ہے، میں جانتا ہوں۔"، ناز کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ وہ کہہ اٹھا۔ ناز کو کبھی ساحل سے دلی وابستگی نہیں رہی تھی۔ وہ اوور تھنکر تھی۔ کئی بار یہ ممکنہ بات سوچ چکی تھی، مگر افسوس تو خیر اسے ہوا تھا۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

"اب بات یہاں یہ ہے کہ اس میں تمہاری غلطی تو نہیں تھی۔ تو؟ پھر کس کی غلطی تھی؟"، ناز نے عجیب احساس کے تحت اسے دیکھا تھا۔

"تیمور پرویز۔"، وہ ہولے سے بولی تو احمد نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اب یہ بتاؤ کہ کیا کرنا ہے اس کے ساتھ؟ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جو کہو گی، جیسا کہو گی، کروں گا۔"، اس کے لہجے میں سختی سی تھی۔ وہ اٹھارہ سال کا تھا۔ ناز کی اس سے کبھی نہیں بنی

تھی۔ وہ ہمیشہ سے اسے ایک نہایت امیچور اور غیر ذمے دار انسان سمجھتی آئی تھی۔ مگر آج اس کی یہ سنجیدگی دیکھ کر وہ حیران ضرور ہوئی تھی۔

"ابو تمہارا چہرہ تھپڑوں سے لال کر دیں گے۔"، اس نے بے اختیار اسے ڈرانا چاہا تھا۔ وہ واقعی اسے اس طرح کی کسی چیز میں انوالو نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خاص کر تب، جب اسے سب کچھ ناممکن لگ رہا تھا۔

"میں کروالوں گا۔ مگر اس سے پہلے اس بے غیرت کا منہ تیزاب سے ضرور لال کروں گا۔ تھپڑوں کا کیا ہے، وہ تو پڑتے رہتے ہیں ویسے بھی۔"، نازا سے دیکھے گئی تھی۔ کیا وہ اس پر بھروسہ کر سکتی تھی؟ اس وقت جب اس کے ماں باپ، دوست، منگیتر اور ہر ایک انسان نے اس کی مدد کرنے سے منہ پھیر لیا تھا، کیا وہ بھائی پر بھروسہ کرنے کا رسک لے سکتی تھی؟

تھوڑی دیر بعد دیکھا جاتا تو کمرے کا دروازہ لاک تھا۔ وہ دونوں پلنگ پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں ایک رجسٹر کھلا پڑا تھا جس میں احمد قلم سے چند لکیریں بنا رہا تھا۔

"ادھر سے بھاگ جائیں گے ہم۔"، وہ بات مکمل کر کے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہاں سوچ کی گہری لکیریں کھنچی نظر آ رہی تھیں۔

"اچھا تو اس پر تیزاب پھینکنے کے بعد تو پولیس ہمارے پیچھے آئے گی۔اس کا کیا؟"،وہ بولی تو احمد نے سر ہلایا تھا۔ہاں یہ تو وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"ہم حلیہ بدل کر جائیں گے۔ایسی جگہ سے جہاں کیمرہ بھی موجود نہ ہو۔۔۔دوسری بات یہ بتاؤ کہ تمہارے ویزا کا کیا ہوا؟"،بولتے ہوئے وہ ایک دم سے بولا تو ناز ٹھٹکی۔

"یہاں ویزا کی کیا بات ؟"،اس نے چار ماہ پہلے ویزا کے لیے اپلائی کیا تھا۔وہ ماسٹرز کے لیے جرمنی جا رہی تھی۔مگر اب اس سب کے بعد یہ بات اس کے ذہن سے پوری طرح محو ہو گئی تھی۔

"تم یہاں سے چلی جانا۔باقی سب میں سنبھال لوں گا یہاں۔"،وہ سنجیدگی سے کہنے لگا تو ناز کا دل بے اختیار ڈوبا۔

"میں تم پر سب نہیں ڈال سکتی۔تم میرے بھائی ہو۔تمہارے کاندھے پر بندوق رکھ کر نہیں چلا سکتی۔"،وہ فوراً ہی بولی تھی۔احمد نے اسے اسی سنجیدگی سے دیکھتے،آگے بڑھ کر یکدم ہی اس کے ماتھے پر ناک کیا تھا۔

"یہاں ناں، کچھ بھی نہیں ہے۔زیادہ زور نہیں ڈالا کرو ورنہ درد ہوگا۔"،اس کے بولنے پر ناز کے لب بھینچے تھے۔

"تم مجھے اپنا پلان بتاؤ۔میں ایسے کچھ بھی کرنے نہیں دوں گی تمہیں۔"،وہ اب کے بہت سنجیدگی اور سختی سے اسے دیکھتی بولی تو احمد نے بےبسی سے سر نفی میں ہلایا۔

"جس طرح سے اس کے ساتھ کچھ نہیں ہوا،ہمارے ساتھ بھی کچھ نہیں ہوگا۔ہم پیچھے کوئی ثبوت،کوئی نشان نہیں چھوڑیں گے۔مجھے افسر عمران نے اپنے گھر بلایا تھا۔کافی سالوں پہلے ان کی بہن کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔اس کا مجرم بھی یونہی بھاگ نکلا تھا۔انہوں نے کہا کہ وہ اس سب میں ہمیں پولیس کے ہتھے نہیں چڑھنے دیں گے۔وہ چاہتے ہیں کہ ہم بدلہ لیں۔"، ناز سن سی بیٹھی رہ گئی تھی۔کیا وہ اتنا بڑا رسک لے سکتی تھی؟احمد اب بھی کہہ رہا تھا۔

"پاکستان میں کسی مجرم کو سزا نہیں ملتی۔یہ یہاں کا رواج ہے۔ویسے بھی اللہ تمہیں اس بدلے کی اجازت دیتا ہے،نہیں؟"،وہ نجانے اسے کیا اور کیوں سمجھانا چاہ رہا تھا۔

"اگر اللہ نے اجازت نہ دی ہوتی تو میرے دل میں کبھی یہ چاہ نہ جاگتی۔ میں بس اس سے بدلہ لینا چاہتی ہوں۔۔۔اور لوں گی۔ وہ اور اس جیسا ہر انسان یہ ڈیزرو کرتا ہے۔"، وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے عجیب سرد آواز میں بولی تھی۔

احمد کئی پلوں تک اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھے گیا تھا۔ وہاں اب پہلے جیسا کچھ نہیں رہا تھا۔ نہ وہ معصومیت، نہ زندگی سے ویسی پہلے جیسی محبت! ادھر بس اب سنجیدگی اور سنگدلی کے پہاڑ تھے۔ بدلہ اور صرف بدلہ!

***

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اور تین۔۔۔

وقت کی ٹھہری سوئیاں ایک دم سے رواں ہوئی تھیں۔ جیسے مووی کا پلے کا بٹن ایک بار پھر دبا دیا گیا ہو۔ ہوا میں ساکت وہ مائع ایک جھٹکے سے اس لڑکے کے چہرے اور جسم پر گرا تھا۔ اگلے ہی پل وہ بلبلا اٹھا تھا۔ بائیک پر سوار وہ دونوں لوگ ایک آخری نظر اسے دیکھ کر تیزی سے بائیک بھگا لے گئے تھے۔ پیچھے دل خراش چیخوں کے بیچ گھرے اس لڑکے کے گرداب

لوگ اکٹھے ہونے لگے تھے۔ کوئی مڑ کر ان دونوں ملامت کرنے لگا تو کوئی اس بلکتے لڑکے کی مدد کو دوڑا۔ لمحوں کا کھیل تھا بس!

تیزی سے ایئرپورٹ کی جانب دوڑتی بائیک پر سوار ناز کی سیاہ آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔ وہ نہ دکھ کا آنسو تھا نہ خوشی کا! اسے بس بہہ جانا تھا، بغیر وجہ کے، بغیر سزا کے۔ بس دل کا کچھ بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر۔

اسے بدلہ چاہیے تھا! اور بدلہ وہ لے چکی تھی!

وہ معاشرے کی ان عام عورتوں کی طرح نہیں بنی تھی جن کے انکاروں کو انا کا مسئلہ بنا کر انہیں ایسے زخم دیئے جاتے ہیں جن کے نشان ساری عمر انہیں خون کے آنسو رلاتے ہیں۔ اگر وہ روئے گی بھی تو ساتھ وہ زخم دینے والا بھی روئے گا۔ بات کمزور یا مضبوط ہونے کی نہیں تھی، بات صرف اپنے کیے کو چکھنے کی تھی!

ایک اور آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹا تھا۔ اس نے چادر ہلکی سی سرکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا تھا۔ آج یہ اسے بدصورت نہیں لگ رہے تھے۔ شاید وہ بدصورت تھے بھی نہیں! بدصورت

محض وہ انسان تھا جس نے اسے یہ دیئے تھے۔ تیمور پرویز جیسا ہر انسان بد صورت تھا۔ نازلی عثمان جیسی ہر عورت خوبصورت تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842